حدیث - ۷

مومن کامل

عن عبداللّٰہ بن عمرو رضی اللہ عنہما عن النبی ﷺ قال: المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ والمھاجر من ھجرمانھی اللّٰہ عنہ

(صحیح بخاری، کتاب الایمان ج:اص ۵۳)

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کامل اور سچا مسلمان وہ ہے، جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔''

آپ ﷺ کا یہ فرمانا کہ جس کے ہاتھ اور زبان سے مسلمان محفوظ رہیں، وہ مسلمان ہے اس کا مطلب کامل مسلمان ہے، یہ مطلب نہیں کہ جس نے اپنی زبان یا ہاتھ سے کسی کو تکلیف دی تو وہ اب مسلمان ہی نہ رہا، یہ ایسے ہی ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ علم تو وہ ہے جو نفع پہنچائے یا عالم تو زید ہے۔ جس کا مطلب پسندیدہ اور باکمال ہوگا یہ مطلب نہیں کہ جس سے فائدہ نہ پہنچا وہ عالم ہی نہیں۔ زید کے علاوہ کوئی عالم ہی نہیں، یا جیسے یہ کہا جاتا ہے کہ آدمی تو عرب ہوتے ہیں یا عربوں میں کہا جاتا ہے، مال تو حقیقتاً اونٹ ہوتا ہے۔ سب کا موقع ومحل اور تفصیل وتشریح الگ الگ ہے۔ اس کا اندازہ ایک اور حدیث سے ہوتا ہے اوپر جو حدیث مذکور ہوئی اس کا مطلب یہی ہے کہ مسلمانوں میں سب سے اچھا مسلمان کون ہے؟ آپ نے فرمایا: جس مسلمان کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، جب کہ اسلام اور مسلمان دونوں کو درجہ کمال تک پہونچانے کے لئے دوسری اور بہت سی چیزیں ہیں۔ اس حدیث پاک میں زبان اور ہاتھ کا ذکر ایک خاص وجہ اور مناسب سے فرمایا گیا ہے۔ (صحیح مسلم: ج ۲ ص ۱۰)

اس حدیث کا مطلب اور پس منظر سمجھنا ان تاریخی اسباب سے واقفیت پر منحصر ہے، جو حضور ﷺ کی ہجرت اور ہجرت کے بعد مدینہ منورہ کے ماحول اور معاشرے سے تعلق رکھتے

ہیں جو اوس وخزرج قحطان ومہاجرین اور مکہ مکرمہ اور اس کے ارد گرد کے جو عدنانی ایمان لائے تھے ان سب پر مشتمل تھا، جب آپ ﷺ نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت فرمائی اور حضرات انصار نے آپ کی مدد فرمائی تو اس وقت عدنانی، قحطانی سبھی اسلام کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے اور ان کے علاوہ مدینہ منورہ میں یہودیوں کے تین قبیلے بنوقینقاع، بنونضیر اور بنوقریضہ اور ان سب کے الگ الگ قلعے اور پناہ گاہیں تھیں، ان کے گاؤں بھی آباد تھے، جن میں وہ مل جل کر آزادانہ زندگی گزارتے تھے، یہودیوں کا اوس وخزرج سے تعلق خود غرضانہ تھا۔ جب ان کو اپنا فائدہ نظر آتا ان دونوں قبیلوں کو آپس میں لڑا دیتے تھے ان میں جنگ کی آگ لگا کر خود فائدہ اٹھاتے تھے۔

اس کے سبب اوس وخزرج میں بہت سی جنگیں ہوئیں۔ہجرت سے پانچ سال پہلے تک پہلی جنگ سمیر کے نام سے اور آخری جنگ بسوس کے نام سے مشہور ہے۔ یہودیوں نے ان دونوں قبیلوں کو باہم لڑانے کی چالیں چلیں۔ان میں باہم پھوٹ ڈالنے والے کاموں پر اکسایا اور ایک دوسرے کے خلاف حسد کی آگ بھڑکایا کہ یہ لوگ آپس میں لڑتے رہیں، یہودیوں کی طرف ان کی توجہ نہ ہو، وہ ان کی طرف سے مطمئن وفارغ ہوں۔(سیرۃ ابن ہشام: ج ۱/۲۵۲)

قبائلی اور نسلی تعصّبات کے اس ماحول میں اسلام نے مسلمانوں کو اس سے بچانے اور دور رکھنے کے لئے تمام مسلمانوں کو خواہ وہ کسی بھی قوم وخاندان سے تعلق رکھتے ہوں باہم بھائی بھائی قرار دیا۔آپ ﷺ نے فرمایا:''انما المومنون اخوۃ. ''مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

سہیلی نے نقل کیا ہے کہ جب صحابہ کرامؓ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ کے مسلمانوں میں ہجرت کر کے آنے والوں میں آپ ﷺ نے بھائی چارہ کرایا تاکہ مہاجرین سے پردیس کی وحشت وگھبراہٹ دور ہو جائے، جو اپنے اہل خاندان وطن اور قبیلے کو چھوڑنے سے پیدا ہوگئی تھی۔ (الروض الانف: ج ۲/۲۵۲) وہ حضرات انصار سے گھل مل جائیں۔ان میں باہم انس ومحبت پیدا ہو جائے، اور ایک دوسرے سے طاقت حاصل ہو۔

آپ ﷺ کو اس بھائی چارے کو بڑھانے اور اس کی جڑوں کو مضبوط کرنے کی بڑی فکر تھی، اس لئے کہ کبھی کبھی قبائل کی اس ملی جلی آبادی کی بھائی چارے والی صاف ستھری فضا کو

معمولی معمولی اختلافات پراگندہ کردیتے تھے۔

حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ دو غلاموں میں جھگڑا ہو گیا ایک کا تعلق مہاجرین سے تھا دوسرے کا انصار سے۔ مہاجر نے آواز دی اے مہاجرین! اور انصاری نے انصار کو پکارا۔ آواز سن کر آپ ﷺ باہر تشریف لائے۔ فرمایا یہ کیا تم لوگ جاہلیت کی باتیں کررہے ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں اللہ کے رسول ایسا نہیں ہے، دو غلام آپس میں لڑ گئے۔ ایک نے دوسرے کی پشت پر گھونسا مار دیا۔ آپ نے فرمایا خیر! کوئی بات نہیں، پھر نصیحت فرمائی دیکھو بھائی آدمی کو اپنے بھائی کی مدد کرنی چاہئے خواہ وہ ظالم ہو، (اس کو ظلم سے روکے) اور مظلوم ہو تو اس کی طرف سے بیچ بچاؤ کرے، اس خوبصورت انداز سے آپ نے حق کی طرف سے دفاع کا ایک ڈھنگ بتا دیا۔

انھیں مربیانہ طریقوں میں سے آپ کا یہ ارشاد بھی کہ (سچا) مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔ یہاں ہاتھ کے لفظ کا استعمال گویا پیچھے سے مارنے کی تصویر کشی کررہا ہے خواہ ہاتھ سے ہو یا کسی اور چیز ڈنڈے وغیرہ سے مقصود مسلمان کی طرف اس کو تکلیف پہنچانے کے لئے ہاتھ کا چلانا ہے اس ہاتھ چلانے کے ساتھ زبان سے سخت الفاظ بھی نکلتے ہیں، اسی فطرت کو ذہن میں رکھ کر آپ نے اپنے ارشاد میں لسان (زبان) کا لفظ استعمال فرمایا، اس طرح کے واقعات وقتاً فوقتاً پیش آتے رہتے تھے جو معاشرے کی برادرانہ فضا کو مکدر کردیتے تھے، اور اس کے متقاضی ہوتے تھے کہ اس کا فوراً مداوا کیا جائے اور ایسے موقعوں پر مناسب حل اختیار کیا جائے۔

سفیان بن عینیہ نے روایت کیا ہے کہ عمرو نے جابر بن عبداللہ کو کہتے ہوئے سنا۔ ایک دن صبح کو ہم لوگ حضور ﷺ کے پاس تھے کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کو پشت کی طرف سے مار دیا، اس انصاری نے انصار کی دہائی دی، اس پر مہاجر نے مہاجرین کو پکارا۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ کیا جاہلیت کی باتیں ہورہی ہیں؟ چھوڑو یہ بڑی گندی بات ہے۔ منافق عبداللہ بن ابی نے سن لیا، اس نے کہا اب تو بات ہو چکی، خدا کی قسم جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو وہاں کا معزز شخص ذلیل کو ضرور نکال دے گا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اللہ کے رسول ﷺ آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن ماردوں، آپ نے فرمایا یہ نہ کرو کہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو

قتل کردیا کرتے ہیں۔ آیت قرآنی اسی واقعے کی طرف اشارہ کررہی ہے:

يَقُوۡلُوۡنَ لَئِنۡ رَّجَعۡنَاۤ اِلَى الۡمَدِيۡنَةِ لَيُخۡرِجَنَّ الۡاَعَزُّ مِنۡهَا الۡاَذَلَّ (المنافقون:۸)

''کہتے ہیں کہ اگر ہم لوٹ کر مدینہ پہنچے تو عزت والے ذلیل لوگوں کو وہاں سے نکال باہر کریں گے۔''

کبھی کبھار یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات پیش آتے رہتے تھے جس سے مدینہ منورہ کا پرسکون ماحول مکدر ہوجاتا تھا اور اس کے متعدد اسباب ہوتے تھے۔

(۱) ایک بڑا سبب تو مدینہ منورہ میں منافقین اور یہود کا وجود تھا جو اسلامی اخوت واتحاد کی اہمیت اور خطرے کو جانتے تھے کہ یہ ان کے حق میں کیا ثابت ہوگا۔

(۲) اسلام سے قبل گزشتہ زمانے میں اوس وخزرج کے درمیان ہونے والی جنگوں کے اثرات بھی باقی تھے۔

(۳) تمام عرب کے لوگ دین وعقیدے میں قریش اور اہل مکہ کے تابع تھے، وہ قریش کو بیت اللہ شریف کے متولی اور دین وعقیدہ میں نمونہ ہونے کی نظر سے دیکھتے تھے، اور قریش اوس وخزرج کے معترف تھے، جن کا تعلق عرب عاربہ بنوقحطان سے تھا، ان کی باہم شادیاں بھی ہوا کرتی تھیں، گو وہ اپنے کو ان سے افضل سمجھتے تھے، چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جب انصار کے کچھ نوجوان مقابلے کے لئے نکلے تو عتبہ بن ربیعہ نے کہا: اے محمدؐ! ہمارے مقابلے میں ہمارے ہمسر لوگوں کو اتارو جو ہماری قوم سے ہوں، تو آپ ﷺ نے ابوعبیدہ بن حارث، حضرت حمزہ اور حضرت علی کو مقابلہ میں اترنے کی دعوت دی، جب یہ حضرات بڑھے تب انھوں نے کہا: ہاں یہ ہیں ہمارے جوڑے کے معزز لوگ۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قریش کے لوگ مدینہ منورہ کے لوگوں کو کھیتی باڑی کے کام کی وجہ سے جس کے لئے مدینہ کی زمین سازگار تھی اور ان کا ذریعہ معاش تھا۔ حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ ان وجوہات کی وجہ سے اس طرح کے واقعات کئی

مرتبہ پیش آئے۔ حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک مہاجر نے پیچھے سے ایک انصاری کو مار دیا، انصاری نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر بدلے کا مطالبہ کیا، آپ نے فرمایا: چھوڑ و یہ گندی بات ہے۔

(شرح صحیح مسلم، نووی، ج ۱۶ ص ۱۳۷، ۱۳۸)

یہ حدیث بہت ہی قابل غور ہے اور مختلف پہلوؤں سے اس پر مطالعہ کرنا چاہئے۔ جن صاحب نے مارا وہ مہاجر تھے اور انصاری کو یہ حق پہنچتا تھا کہ وہ بدلے کا مطالبہ کرے مگر بدلے کی خواہش اور اس کا مطالبہ بھائی چارے کے خلاف تھا اور آپ ﷺ اس بات کے کوشاں تھے کہ تعصب اور نسلی امتیاز کا خاتمہ فرمادیں اور جاہلیت کے اثرات مٹا کر اس کی جگہ بھائی چارے کا جذبہ پیدا فرمادیں اس لئے آپ ﷺ بدلہ دلانے کے بجائے انصاری کے اندر بھائی چارے پوشیدہ جذبات کو ابھارتے ہوئے اس کو معافی اور درگذر کرنے کی نصیحت فرماتے ہیں۔ فرماتے ہیں چھوڑ و یہ بڑی گندی بات ہے۔

واقعے کو پڑھنے والا ہر شخص یہ محسوس کرے گا کہ اس طرح کے واقعات جو معمولی سمجھے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کو بہت فکر مند بنا دیتے تھے اور آپ اس کے ازالے کے لئے فکر مند ہوجاتے تھے۔ اسی فکر کے نتیجے میں آپ نے ارشاد فرمایا! ''سچا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں۔'' یہ حدیث صحاح ستہ میں تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ متعدد روایتوں سے بیان ہوئی ہے۔ چنانچہ صحیح ابن حبان میں ''المهاجر من هجر السيئات والمسلم سلم المسلمون من لسانه ويده، يعنى المهاجر من هجر السيئات'' کے الفاظ کا اضافہ ہے۔ جس کے معنی ہیں مہاجر وہ ہے جس نے برائیوں کو چھوڑ دیا۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے اس معمولی بات کی نزاکت اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے خطرات کو اچھی طرح سمجھ لیا تھا۔ اور اس کو بار بار دہرانے اور مختلف انداز واسلوب کے ذریعے صحابہ کرامؓ کے دل میں بٹھا دینا چاہتے تھے، چنانچہ نہایت لطیف انداز میں فرمایا: مہاجر تو حقیقتاً وہ ہے جو برائیوں کو چھوڑ دے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کو کئی بار اس صورت حال سے سابقہ پڑا اور متعدد بار

آپ ﷺ کو نصیحت کرنا پڑی اور نصیحت کے الفاظ میں اضافہ فرمایا:

چنانچہ سنن نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں اور مومن وہ ہے کہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جانوں اور مالوں کے بارے میں مامون ہوں کوئی خطرہ نہ محسوس کریں۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بات بڑھ کر کبھی کبھی طنز و تعریض، مار پیٹ، قتل اور لوٹ مار تک پہنچ جاتی تھی اور لوگ بے چینی اور بے اطمینانی کی کیفیت سے دوچار تھے، چنانچہ آپ ﷺ سے سوال کیا گیا: اسلام کا کون سا عمل اور طریقہ پسندیدہ ہے۔ گویا سائل یہ معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کس طرح کا طرز زندگی ایک اچھا اور ایک دوسرے سے محبت کرنے والا معاشرہ تیار کرسکتا ہے۔ چنانچہ جواب میں آپ ﷺ نے باہم محبت اور انس پیدا کرنے والی چیزیں بیان فرمائیں آپ ﷺ نے فرمایا:

''دوسروں کو کھانا کھلاؤ، سلام کو عام کرو اور اس کو رواج دو، جس کو پہچانو اس کو بھی سلام کرو اور جس کو نہ پہچانو اس کو بھی سلام کرو۔ یہ دونوں چیزیں ایسی ہیں کہ دل کے میل اور کھوٹ کو دور کرتی ہیں۔ کہ کھانا کھلانا ہاتھ کی ایذا رسانی سے روکتا ہے اور سلام زبان کی ایذا رسانی سے روکتا ہے۔

(السیرۃ النبویۃ۔ مولانا ابوالحسن علی ندوی ص ۱۴۴/۱۳۲)

اس عملی اور موثر تربیت کے ذریعہ آپ ﷺ ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم فرمانا چاہتے تھے جو باوقار، محترم، منظّم اور علمی ہو۔ اس کی اپنی اقدار ہوں۔ اور وہ انسانی بستی کا گلدستہ ہو۔

باہمی محبت و تعلقات و روابط، کھانا کھلانے اور سلام کو عام کرنے سے زیادہ پختہ و مضبوط ہوتے ہیں۔ حدیث پاک میں مسلم کا لفظ عام ہے مرد اور عورت دونوں ہی اس سے مراد ہیں یعنی کھانا کھلانے اور دعائے سلامتی کا جذبہ و عمل دونوں میں ہونا چاہئے۔ ایک اور دوسری روایت ہے جو اسلامی معاشرے کے دائرے کو وسیع تر کرتی ہے۔

حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ: جس نے ہماری طرح سے نماز پڑھی اور ہمارے قبیلے کی طرف رخ کیا، اور ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور کو کھایا وہ مسلمان ہے (شرح صحیح

مسلم، نووی، ج۱۶/۱۳۹) اسی لئے علماء فرماتے ہیں: اہل ذمہ بھی اچھے برتاؤ اور سلوک کے اعتبار سے اس میں شامل ہوں گے۔

یہ حدیث قابل غور ہے، اس کے مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھ کر سوچا اور غور کیا جائے تو اس سے محبت وتعلق کی مہک محسوس ہوتی ہے۔ مارنے والا شخص پردیسی اور مہاراجہ تھا، انصاری کو یہ پورا حق تھا کہ بدلے کا مطالبہ کرے مگر بدلے کا مطالبہ برادرانہ اور محبانہ جذبے کے خلاف تھا۔ دوست ومحبوب کی غلطی کو محبت وتعلق کی نظر بھلا دیتی ہے، برداشت کرجاتی ہے اور اس کو پی جاتی ہے، بدلہ لے لیا تو پھر وہ بات کہاں رہ جاتی ہے، اور آپ ﷺ اس فکر اور کوشش میں تھے کہ نسلی اور قبائلی تعصب کو مٹا کر اسکی جگہ مسلمانوں کے دلوں میں محبت بھر دیں۔

چنانچہ آپ ﷺ انصاری کے دل میں موجود برادرانہ محبت کو ابھارتے ہوئے معاف ودرگذر کرنے کی تلقین فرماتے ہیں۔ فرمایا: چھوڑو یہ گندی بات ہے۔ حدیث پر غور کرنے والے اور اس کے اثرات کی تہہ میں جانے والے کو محسوس ہوگا کہ آپ ﷺ یہ اور اس طرح کے دوسرے واقعات کے سلسلے میں بڑی فکر فرماتے تھے اور یہ کوشش ہوتی تھی، اس طرح کی چیزیں مسلم معاشرے میں نہ داخل ہونے پائیں کہ یہی بڑے فتنے اور انتشار کا پیش خیمہ بن جاتی ہیں۔ (جیسا کہ آج ہم اپنی آنکھوں سے اس کو دیکھ اور اس کی آگ میں جل رہے ہیں) لھذا آپ بہت فکر واہتمام کے ساتھ اس کو ختم کرنے کی کوشش فرماتے تھے اور بہتر سے بہتر طریقے پر حل فرمانے کا طریقے اپناتے تھے، اسی لئے مذکور بالا حدیث جس پر یہ بحث چل رہی ہے تھوڑے سے فرق کے ساتھ صحاح ستہ اور دیگر کتب کی بہت سی روایتوں میں بیان ہوئی ہے کہ یہ بات مسلمانوں کے دلوں میں رچ بس جائے۔ اور زبان یا ہاتھ کسی طرح بھی مسلمان اپنے بھائی کا دل نہ دکھائے، صحیح ابن حبان میں حدیث اس طرح آئی ہے۔ ''المهاجر من هجر السيئات والمسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده.'' یعنی صحیح معنوں میں مہاجر وہ ہے جو برائیوں اور گناہوں کو چھوڑ دے اور کامل مومن وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے مسلمان محفوظ رہیں۔ گویا آپ ﷺ نے یہ محسوس فرمالیا کہ مہاجر اس غلطی کا ارتکاب دوبارہ بھی کرسکتا ہے۔ لہذا فرمایا بھائی مہاجر تو وہ ہے جو برائیوں کو چھوڑ دے، یہ فرما کر گویا اس کو تاکید فرمادی کہ

دیکھو آئندہ ایسا نہ کرنا یہ نہایت نامناسب بات ہے کہ مسلمان کو تکلیف پہونچائے۔

روایتوں سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ واقعات متعدد بار پیش آئے ہیں اور آپ کو اس معاشرتی مشکل کو حل کرنا پڑا ہے۔

وقت کی نزاکت کی مناسبت سے روایتوں کے الفاظ میں کمی زیادتی فرمائی ہے۔ چنانچہ سنن نسائی میں حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانه والمومن من امنه الناس دمائهم واموالهم۔ اس حدیث میں سچا مومن وہ ہے، جس سے لوگوں کو اپنے جان و مال کا خطرہ نہ ہو، کا اضافہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بات طنز و تعریض اور معمولی ایذا رسانی سے بڑھ کر کبھی کبھی لوٹ مار اور قتل تک پہنچ جاتی تھی اور معاشرے میں بے چینی اور نفسیاتی فکر و تشویش پیدا ہوگئی تھی۔

صحابہ کرامؓ نے سوال کیا: اللہ کے رسول ﷺ ''أی الاسلام خیر'' اسلام کی سب سے بہتر حالت کیا ہے شاید سائل یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ ایک محبت بھرا اور باہم میل محبت اور ایک دوسرے کی فکر رکھنے والا معاشرہ کس طرح وجود میں آسکتا ہے۔ جواب میں آپ ﷺ نے فرمایا: ''تطعم الطعام وتقرأ السلام علی من عرفت ومن لم تعرف'' کھانا کھلاؤ (باہم میل محبت میں ایک دوسرے کی دعوت کرو) (جو مسلمان بھی ملے) اس کو سلام کرو چاہے اس کو پہچانتے ہو یا نہ پہنچانتے ہو۔ یہ وہ شرعی ذرائع اور صفات و عادات ہیں جو دل کے اندر سے حسد و بغض، بدخواہی اور دھوکہ دہی کے میل کو نکال کر اپنے بھائی کے لئے دل کو جذبات خیر سے بھر دیتے ہیں ان کی خوشی سے خوشی اور ان کے غم سے غم محسوس کرتے ہیں۔ جو بھائی اپنے بھائی کو کھانا کھلائے گا بھلا وہ اس پر ہاتھ کیسے اٹھائے گا اور جو سلامتی کی دعا دے گا وہ اپنی اسی زبان سے اپنے اسی بھائی کو برا بھلا کیسے کہے گا۔ طعنہ زنی کے لئے زبان کیونکر کھولے گا۔

آپ ﷺ ان حکیمانہ، عملی اور موثر تعلیمات کے ذریعے ایک ایسا اسلامی معاشرہ قائم فرمانا چاہتے ہیں جس کی فضا میں ایک دوسرے کا ادب واحترام سمایا ہوا ہو۔ معاشرے کا نظام، طور طریقہ اور رہن سہن ایک امتیازی شان رکھتا ہو۔ اسلامی معاشرہ ایک ایسی دنیا ہو جس میں ایک دوسرے کے بارے میں نرالے جذبات واحساسات ہوں۔ دوسروں سے ملنے جلنے کے

ایسی پرخلوص ومحبت سے لبریز اور چھلکتی ہوئی ادائیں ہوں کہ پورے ماحول پرسکون وسکینہ کی چادر تنی ہوئی ہو، ایک دوسرے کی دعوت کرنے، کھانے کھلانے اور سلام ودعا سے یہ تعلقات برابر بڑھتے ہی جائیں گے۔ اور ان میں مضبوطی وپختگی بڑھ کر عادت ثانیہ بن جائے گی اس طریقے کو مدینہ منورہ کے پاکیزہ ماحول میں برتا اور دیکھا جا چکا ہے، تاریخ میں اس کی شہادت موجود ہے۔

آپ ﷺ نے من سلم المسلمون کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔ ''مسلمات'' یعنی مسلمان عورتوں کا ذکر نہیں۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ عورتیں اس میں شامل نہیں بلکہ چونکہ مرد کو اولیت حاصل ہے تربیت وتعلیم اسی کے ذمے ہے، معاشرے پر وہی مؤثر ہوتا ہے اس لئے اکثر مومن ومسلم مذکر ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ مراد دونوں ہی ہوتے ہیں، عورت چونکہ مرد کے تابع بنائی گئی ہے، اس لئے مرد کے ذکر کے بعد وہ بھی اس میں شامل ہو جاتی ہے۔ کہیں کہیں عورت کی فضیلت کو بیان کرنے کے لئے علاحدہ ذکر کر دیا جاتا ہے، اس لئے عورت بھی اس میں شامل ہے۔

ایک اور روایت بھی ہے جو اسلامی معاشرے کے دائرے کو مزید وسیع کرتی ہے۔ حضرت انسؓ سے مروی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

من صلی صلاتنا واستقبل قبلتنا وأکل ذبیحتنا فذالك المسلم

''جس نے ہماری نماز پڑھ لی اور ہمارا ذبیحہ کھالیا اس کا شمار مسلمانوں میں ہے۔

اس لئے علماء کہتے ہیں کہ حسن سلوک اور معاملات میں اہل ذمہ بھی مسلمانوں ہی کے حکم میں ہوں گے۔ ان کو بھی حق اور انصاف کا پورا حق حاصل ہوگا۔''

ان ہدایات وتعلیمات کے ذریعے آپ ﷺ ایسا عظیم الشان معاشرہ قائم کرنا چاہتے تھے، جس میں ہر فرد بشر سکون اور چین اور پیار اور محبت کی فضا میں بے خوف وخطر زندگی گزار رہا ہو۔ گھر میں ہو تو، سفر میں ہو تو، ہر حال میں اس کی عزت وناموس اور جان ومال محفوظ ہو، نہ کسی سے کوئی بدگمانی ہو اور نہ کسی کی عیب جوئی اور ٹوہ میں لگا جائے، اور نہ ہی کسی کی عزت وشرف اور آزادی میں کوئی ادنیٰ خلل پڑنے پائے، وہ ایسا مثالی معاشرہ ہو، جس میں انسانوں کے باہم اتحاد اور میل ملاپ کا اونچے سے اونچا نمونہ پایا جاتا ہو، خواہ ان کے قبائل اور قومیں مختلف ہی کیوں نہ ہوں، اس معاشرے کا بس ایک ہی معیار و پیمانہ ہو اور سب اسی کو مانتے اور تسلیم کرتے ہوں، وہ

پیمانہ اس خالق کا بنایا ہوا ضابطہ حیات ہو، جو اپنے بندوں کے مزاج، ضروریات، خصوصیات اور الگ الگ صلاحیتوں اور صفات سے خوب واقف ہے۔ اس لئے معاشرے میں ہوائے نفسانی کا گزر نہ ہو، اس معاشرے کا معیار و پیمانہ اخوت، بھائی چارہ اور اپنے پر دوسرے بھائی کو مقدم رکھنا ہے۔ جہاں کی فضا ایسی ہو کہ ایک بھائی اپنے بھائی کے یہاں ہدیے کا پیالہ بھیجے تو وہ محلّہ بھر میں گھومتے ہوئے پھر اسی کے پاس آجائے۔

اس اعتبار سے یہ حدیث پاک شریفانہ کریمانہ اور پاکیزہ کردار معاشرے کے نقوش قائم کرتی ہے، اور ایمان کے وہ سنگ میل قائم کرتی ہے، جس کی بنیاد پر ایسے معاشرے کے قیام کی دعوت دی گئی ہے۔ اس مثالی ماحول میں بندۂ مومن پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ عملی اور تعمیری زندگی گزارے، بھائی چارہ اور مل کر رہنے کا شعار اپنائے اور اس کی انجام دہی میں مشقت و ناگواری سے سابقہ پڑے تو پیشانی پر شکن لائے بغیر اس کو برداشت کرے، جس بات کا مقابلہ نہ کرسکتا ہو اس سے چشم پوشی سے کام لے اور اس کی عادت ڈالے کہ کوئی چبھتا ہوا اور چڑانے والا لفظ زبان سے نہ نکالے، اپنی زبان سے کوئی دل دکھانے والا لفظ نہ نکالے، کہ مسلمان ذکی الحس ہوتا ہے، اس لئے کہ نیزہ کا زخم تو پر ہو جاتا ہے لیکن زبان کا زخم باقی رہتا ہے جس کو عرب شاعر نے اس طرح ادا کیا ہے ؎

جراحات السنان لها الالتئام
ولا يلتأم ما جرح اللسان

جب اسلامی معاشرہ اس طرح کا اتحاد و محبت، برادرانہ برتاؤ اور بھائی چارے کا جیتا جاگتا معاشرہ ہوگا تو امت مسلمہ اعداء اسلام کی سرکشی اور دراز دستی کو کچلنے کی اہل ثابت ہوگی، اس معاشرے میں سوچ سمجھ کر موقع ومحل کو دیکھ کر ہوشیاری اور چالاکی سے اقدام کرنے کی سوجھ بوجھ ہوگی، وہ جذبات سے مغلوب ہو کر کوئی قدم نہ اٹھائے گا۔ اور آپس میں محبت وخوش خلقی، ایک دوسرے کی مدد وتعاون، ہمدردی و بہی خواہی کے جذبات سے دل لبریز ہوں گے جس کی تصویر کشی قرآن کریم نے ان الفاظ میں کی ہے: اشداء على الكفار رحماء بينهم کبھی کبھار اگر باہم اختلاف ولڑائی کی نوبت آجائے تو فوراً کتاب وسنت کی طرف رجوع کر کے معاملہ کو جلد ختم کر دیا جائے، آپ کے ارشاد کا پکا مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ

رہیں اور سچا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔

موجودہ حالات اور حدیث

(۱) حدیث سے یہ رہنمائی ملتی ہے کہ صحیح معنی میں اسلام اسی وقت کامل ہو سکتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اور مسلمان دونوں کے حقوق ادا کئے جائیں کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو خود کے لئے پسند کرتا ہے۔ ان کو اپنی زبان اور ہاتھ کسی بھی ذریعے سے تکلیف نہ پہنچائے۔

(۲) حدیث بتاتی ہے کہ حقیقی مسلمان تو وہی ہے جس کے دل میں ایمان رچ بس گیا ہو، ایسا کہ مسلمانوں کی ضروریات و مفاد کا پورا خیال رکھے، ان کی امانتوں کی حفاظت کرے اور قتل و خونریزی سے تو کوسوں دور رہے۔

(۳) حدیث نے یہ بھی تعلیم دی کہ مسلمانوں کو تکلیف پہنچانے والی ہر بات سے پرہیز کرے خواہ زبان سے ہو یا قلم و نیزہ سے ہو۔ جس بات سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اس سے مسلمان کو بچنا چاہئے۔

(۴) حدیث نے واضح کر دیا کہ ایمان بندۂ مومن کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ وہ مسلمانوں کے جان و مال اور عزت و آبرو کو اپنی زیادتیوں سے محفوظ رکھے۔

(۵) مسلمانوں کو تکلیف پہنچانا تو اتنی سخت بات ہے کہ فرمایا گیا کہ جس سے لوگ مأمون نہ ہوں گویا وہ ایمان سے عاری ہے۔

(۶) حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ہجرت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور اپنے دین و ایمان کی حفاظت کی غرض سے آدمی اپنا گھر بار اور وطن چھوڑ دے، یہ تو خصوصی ہجرت ہے۔ جس کی فضیلت میں بہت کچھ بیان ہوا ہے۔ دوسری قسم کی ہجرت جو عام ہے یہ ہے کہ عام آدمی اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی چیزوں کو چھوڑ دے۔

حدیث کا فقہی پہلو

حدیث سے ثابت ہوا کہ اصل یہ ہے کہ مسلمانوں کا جان و مال، عزت و آبرو حرام ہے،

اس پر زیادتی ظلم عظیم ہے۔ الا یہ کہ شریعت نے اللہ اور اللہ کے رسول نے حلال کیا ہو، حجۃ الوداع کے موقع پر جب آپ ﷺ نے خطبہ دیا تو فرمایا:

آج تمھاری جان و مال اور عزت تم پر اسی طرح حرام ہے۔ جس طرح آج کے دن اور اس شہر اور اس مہینہ میں حرام ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے ہماری طرح نماز پڑھی ہمارے قبلے ک قبلہ بنایا ہمارے ذبح کئے ہوئے جانور کو کھایا وہ مسلمان ہے اس کے بارے میں اللہ اور اللہ کے رسول کے حقوق ہیں۔

فرمایا: اگر دو مسلمانوں میں جھگڑا ہو جائے اور دونوں اپنی اپنی تلواریں لے کر مقابلہ میں آ جائیں تو قاتل اور مقتول دونوں جہنم میں جائیں گے، لوگوں نے سوال کیا، اللہ کے رسول قاتل کا تو جہنم میں جانا سمجھ میں آتا ہے، مقتول کیوں جہنم میں جائے گا؟ آپ نے فرمایا وہ بھی تو اپنے مدمقابل کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

آپ ﷺ نے فرمایا: '' میرے بعد تم کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو۔ (فتاویٰ ابن تیمیہ: م۳/۲۸۳)